© rasailojaraid.com

حرفِ آغاز

اسلامی علوم میں اقدامی رجحان

سید جلال الدین عمری

افراد کی طرح قومیں بھی ایک دوسرے کے علوم و فنون اور افکار و خیالات سے استفادہ کرتی ہیں۔ اس استفادے کو غلط اور ناجائز نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ بعض پہلوؤں سے مفید اور قومی زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس استفادہ کا انداز اور اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنی ذہنی، فکری، ملی اور سیاسی حالت کے لحاظ سے دوسروں سے استفادہ کرتی ہے۔ جس قوم کی فکری بنیاد مستحکم ہوتی ہے، جسے اپنے نظریات اور افکار پر پختہ یقین ہوتا ہے اور جو کارزارِ حیات میں قائدانہ حیثیت کی مالک ہوتی ہے، وہ دوسروں کے علم و فن اور تحقیق و تجزیہ کو آنکھیں بند کر کے نہیں قبول کرتی بلکہ وہ ان میں سے ہر چیز پر ناقدانہ نظر ڈالتی اور ان کے حسن و قبح کو اچھی طرح دیکھتی ہے پھر جس بات کو صحیح اور اپنے لئے مناسب اور موزوں خیال کرتی ہے اسے قبول کرتی ہے اور جس بات کو غلط اور نامناسب تصور کرتی ہے اسے رد کر دیتی ہے۔ لیکن جب اس کی فکری اساس کمزور پڑ جاتی ہے اور اسے اپنے خیالات پر وہ اعتماد نہیں ہوتا جو اسے ہر رطب و یابس کے قبول کرنے سے روکے تو وہ ہر نئے فکر و خیال پر اندھوں کی طرح ٹوٹ پڑتی ہے بلکہ اپنے نظریات سے دست بردار ہو کر دوسروں کے نظریات کو اختیار کرنے میں ایک طرح کا فخر اور خوشی محسوس کرتی ہے۔ اسے اپنے ہیرو دل اور جواہرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بھی شرم محسوس ہوتی ہے اور دوسروں کے خزف ریزوں کو بھی حسرت اور رشک سے دیکھتی ہے۔

مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں یونانی علوم سے استفادہ کیا اور ماضی قریب میں مغربی علوم سے استفادہ کیا۔ لیکن چونکہ ان دونوں ادوار میں ان کی ملی سیاسی، ذہنی اور نفسیاتی کیفیت مختلف تھی اس لئے ان کے استفادہ کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ یہاں ہم اسی کا تھوڑا سا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں یونانی علوم جس وقت منتقل ہوئے اس میں شک نہیں کہ ایک طبقہ اس سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے ان علوم کا مرعوبیت کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اس نے اسلام کی روشنی میں ان نظریات کا جائزہ لینے کی جگہ ان نظریات کی عینک سے اسلام کو دیکھا اور اسلام کو ان سے ہم آہنگ کرنے کی نامرغوب و نامعقول کوشش کی۔ لیکن یہ بہت ہی چھوٹا سا طبقہ تھا۔ عام مسلمانوں پر اس کا کوئی خاص اثر نہ تھا۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اسلام اور اس کی تعلیمات پر پورا پورا ایمان و یقین تھا وہ ابھی کسی غیر اسلامی فکر کو قبول کرنے کے لئے ذہناً تیار نہ تھی۔ اس میں ابھی اس کی بھرپور صلاحیت تھی کہ کسی بیرونی فکر کا صحیح طریقہ سے جائزہ لے کر اس کے قابل قبول یا ناقابلِ قبول ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

۲۔ مسلمان سیاسی طور پر حکمراں تھے، اس لئے ان میں وہ ذہنی پستی یا مرعوبیت نہیں تھی جو بالعموم محکوم اور زیردست قوموں میں ہوتی ہے، یونان کی حیثیت مسلمانوں کے لئے حاکم قوم کی نہیں تھی۔ انھوں نے یونانی علوم کو اس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے ایک محکوم قوم حاکم قوم کے نظریات کو دیکھتی ہے۔ بلکہ انھوں نے ایک ایسی قوم کی حیثیت سے ان پر نظر ڈالی جسے دنیا کی تمام قوموں پر سیاسی تفوق اور برتری حاصل تھی۔ وہ دنیا کو درس دینے کی پوزیشن میں تھی۔ ابھی ان سے درس لینے کے لئے تیار نہ تھی۔

۳۔ یونانی علوم نے بحثیں چھیڑی تھیں ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی و رسالت، حشر و نشر، مادہ و روح، جبر و قدر اور اسی نوعیت کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مسائل اہم ہیں اور ان کا پوری زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یونانی علوم کا اسلام کی تہذیب، معاشرت، اخلاق، سیاست اور قانون وغیرہ سے براہ راست تصادم نہیں تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ یونانی علوم کا حملہ اسلام کے عقائد پر تھا اس کی سیاسی و اجتماعی زندگی پر نہیں تھا۔ اس لئے زندگی کے یہ گوشے اس کے اثرات سے بڑی حد تک محفوظ تھے۔

۴۔ یونانی علوم سے مسلمانوں نے گہری واقفیت حاصل کی، ان پر عبور حاصل کیا اور ان کی ایسی مستند توضیح و تشریح کی کہ اس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ یہی نہیں مسلمانوں نے ان علوم پر بے لاگ نقد و تبصرہ کیا، کھرے کھوٹے کو پرکھا اور اس بات کی نشاندہی کی کہ ان سے ایک مسلمان کس حد تک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس طرح یہ علوم مسلمانوں میں جہاں اپنی صحیح شکل میں پھیلے ہیں ان کی افادیت و عدم افادیت کے پہلو بھی ساتھ ہی ساتھ واضح ہوتے رہے۔

۵۔ مسلمانوں میں ایسی شخصیتیں بکثرت پیدا ہوئیں جو ایک طرف یونانی علوم پر وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے تو اسلامی علوم میں بھی انھیں تجدید و امامت کا مقام حاصل تھا۔ انھوں نے یونانی علوم کی زد اسلام کے جن عقائد پر پڑ رہی تھی ان کا علمی اور تحقیقی انداز میں جواب دیا اور اس طرح اسلام کی حقانیت ثابت کی کہ یونانی علوم کے کسی بڑے سے بڑے معتقد کے لئے بھی اس کی تردید آسان نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانی علوم کا زہر مسلمانوں میں پھیلا تو اس کا تریاق بھی ساتھ ہی ساتھ فراہم ہوتا چلا گیا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی عقائد پر جو وسیع لٹریچر مسلمانوں نے فراہم کیا اس سے ہٹ کر بھی علماء اسلام نے قرآن، حدیث، فقہ کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے ان غلط خیالات کی قدم قدم پر تردید کی ہے جو یونانی علوم کے زیر اثر مسلمانوں میں پھیل رہے تھے اور جن کی وجہ سے ایمان و یقین متزلزل ہو سکتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی علوم مسلمانوں میں جب آئے تو حالات بدل چکے تھے۔

(۱) یہ علوم مسلمانوں میں اس وقت آئے جب کہ انھیں اپنے عقائد پر وہ یقین نہ تھا جو دور اول کے مسلمانوں کو تھا۔ دین کا واضح تصور ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو رہا تھا، وہ مختلف قسم کے اوہام و خرافات میں گرفتار تھے، ان کی سیرت و کردار میں وہ پاکیزگی باقی نہیں رہی تھی جو اسلام نے عطا کی تھی۔ دین سے علمی و فکری بے خبری اور عملی دوری نے اس بات کو آسان بنا دیا تھا کہ کوئی بھی فلسفہ انھیں اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ چنانچہ مغربی علوم کا سیلاب آیا تو وہ اس بری طرح متاثر ہوئے یونانی علوم سے ان کا تاثر محدود پیمانے پر تھا اور مغربی علوم نے انھیں وسیع پیمانہ پر متاثر کیا۔

(۲) مغربی علوم کی حیثیت ایک حاکم قوم کے علوم کی تھی مسلمان مغرب کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ان سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔ انھوں نے اسی مرعوبیت کے ساتھ مغربی علوم سے استفادہ کیا۔ وہ مغرب کے کسی خیال اور فلسفہ کے بارے میں یہ سوچنے کے لئے تیار نہ تھے کہ وہ غلط ہو سکتا ہے۔ اس لئے مغرب نے اسلام پر جس پہلو سے بھی اعتراض کیا وہ اسے صحیح سمجھنے لگے۔

(۳) یونانی علوم نے بعض خالص عقلی مسائل چھیڑے تھے لیکن مغرب نے پوری زندگی سے بحث کی اور اسے ایک خاص رخ دینا چاہا۔ اس نے مسلمانوں کے عقائد ہی کو نہیں ان کی تہذیب، معاشرت، سیاست، قانون غرض ان کے پورے دین اور پوری تاریخ کو نشانہ بنایا۔ اسلام نے زندگی کے جس پہلو سے متعلق جو ہدایات بھی دیں ان کا مذاق اڑایا اور آج کے دور کے لئے اسے ناقابل قبول قرار دیا۔

(۴) مغربی فکر خالص عقلی فلسفہ کا نام نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ سائنس اور ٹکنالوجی کی ایک دنیا وجود میں آئی۔ جس نے پرانی دنیا کو اور اسی کے مسائل کو بڑی حد تک بدل دیا۔ ان حالات میں اسلام کی طرف رجوع کرنے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا حوصلہ بھی شائد کم ہی لوگ اپنے اندر پاتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) مسلمانوں میں یونانی علوم کے ماہرین تو بہت پیدا ہوئے لیکن ایسے افراد شاذ و نادر ہی تھے جنھوں نے مغربی فکر و فلسفہ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہو اور جو اس کے مستند شارح اور ترجمان سمجھے جاتے ہوں۔ ایسے لوگ تو اور بھی کم تھے جن کی مغربی علوم پر ناقدانہ نظر ہو اور جو ان کی خوبیوں اور خامیوں کا خود مغرب کے معیار کے مطابق تجزیہ و تحلیل کر سکیں۔

(۶) یہاں ایک خلا اور بھی پیدا ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ دور اول میں اسلامی علوم کے ماہرین اور مجددین یونانی علوم پر بھی پورا عبور رکھتے تھے۔ وہ بجا طور پر اس پوزیشن میں تھے کہ یونانی علوم کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا اسلام کی طرف سے جواب دیں جس طرح دینی علوم میں ان کی دقتِ نظر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا اسی طرح یونانی علوم میں ان کی گہری بصیرت سے بھی انکار ممکن نہ تھا۔ لیکن مغربی علوم کے آنے کے بعد مسلمان اہل علم دو طبقوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو مغربی علوم پڑھتا پڑھاتا تھا اور اس سے مرعوب و متاثر تھا دوسرا وہ جو دینی علوم کی درس و تدریس میں لگا ہوا تھا۔ مختلف اسباب کی بنا پر دونوں کے مطالعہ و تحقیق کے میدان ایک دوسرے سے الگ تھے۔ جو لوگ مغربی علوم پڑھ رہے تھے وہ دینی علوم سے ناواقف تھے اور دینی علوم کے ترجمان مغربی افکار و مسائل سے بے خبر تھے۔ نہ تو پہلا طبقہ اسلام کی صحیح ترجمانی کر سکتا تھا اور نہ دوسرا طبقہ مغربی افکار کے جائزہ اور تنقید کی پوزیشن میں تھا جو لوگ صحیح معنی میں اسلام کی طرف سے جواب دے سکتے تھے وہ مغربی فکر، اس کے اٹھائے ہوئے سوالات اور سائنسی دور کی پیچیدگیوں کو پوری طرح نہیں سمجھتے تھے اور جو مغربی فکر سے واقف تھے اسلام کے بارے میں ان کی معلومات محدود، ناقص بلکہ غلط در غلط تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کی طرف سے اسلام پر تابڑ توڑ حملے ہوتے رہے اور اسلام کی صحیح معنوں میں ترجمانی نہیں ہو سکی۔

اس میں شک نہیں بعض لوگوں نے مغرب کے اعتراضات کا جواب دینے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کوشش کی لیکن یہ لوگ سخت مرعوبیت کا شکار تھے۔ ان کے نزدیک غلط اور صحیح کا پیمانہ مغرب تھا حق وہ تھا جسے مغرب حق کہے اور جس بات کو مغرب کی سند حاصل نہ ہو وہ باطل تھی۔ وہ ان تعلیمات کے ذکر سے بھی شرمندگی محسوس کرتے تھے جن پر مغرب کو اعتراض تھا اور ان کی ایسی رکیک تاویلات کرنے سے بھی گریز نہ کرتے جن سے ان تعلیمات کا حسن ہی ختم ہو جائے۔ وہ اسلام کو مغرب کے تابع دیکھنا چاہتے تھے، چاہے اس کے لئے انھیں اسلام کی صورت ہی مسخ کیوں نہ کرنی پڑے۔

ان حالات میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ بعض خاص تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

(۱) مغربی تہذیب کے عروج کے ساتھ اس کی خامیاں اور اس کے نتائج بھی سامنے آنے لگے یہ نتائج بعض پہلوؤں سے اتنے گھناؤنے تھے کہ خود مغرب چیخ اٹھا۔ اس کی وجہ سے مغربی تہذیب کا طلسم ٹوٹنے لگا اس کے ارفع و اعلیٰ اور مکمل ہونے کا تصور باقی نہیں رہا اور وہ مرعوبیت جو ذہنوں پر قائم تھی کم ہونے لگی۔

(۲) مغربی فکر کے غلبہ کی ایک وجہ مسلمان ملکوں پر اس کا سیاسی غلبہ بھی تھا۔ یہ غلبہ بیسویں صدی میں عملاً ختم ہوا تو مغرب کے افکار کی حیثیت حاکم قوم کے افکار کی نہیں رہی اب اس کے بارے میں زیادہ صحیح طریقہ سے سوچا جانے لگا اور مرعوبیت کی جگہ بے لاگ تجزیہ نے لے لی۔

(۳) مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا ہونے شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھنے لگی جو اسلام کے صحیح علم کے ساتھ مغرب کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جس اعتماد کے ساتھ اسلام کی ترجمانی کر سکتے تھے اسی اعتماد کے ساتھ مغرب کے بارے میں بھی بول سکتے تھے۔ انھوں نے باخبر افراد کی طرح مغرب پر تنقید کی اور اسلام کو پوری جرأت اور ہمت کے ساتھ پیش کیا۔

(۴) اس کے ساتھ ایک اہم تبدیلی یہ آئی کہ مسلمانوں میں اسلام کے احیاء کا جذبہ مختلف شکلوں میں ابھرا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اسلام ہی ان کی مشکلات اور مسائل کا حل ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ مغربی فکر کے اثرات کو دل و دماغ سے نکالا جائے اور اس کی جگہ اسلام کی برتری کا نقش بٹھایا جائے چنانچہ آج یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اسلام سے وابستگی بڑھ رہی ہے اور وہ مغرب کو محض ایک سراب سمجھ رہے ہیں۔

اس طرح اسلام کی ترجمانی اب دفاعی دور سے نکل کر اقدامی دور میں داخل ہو چکی ہے۔ امید ہے یہ دور اور ترقی کرے گا اور اسلام اپنی صحیح شکل میں زیادہ سے زیادہ ابھر تا چلا جائے گا۔

© rasailojaraid.com